

سید احمد شہید کی تحریک جہاد: ایک مطالعہ

سید احمد شہید کی تحریک جہاد عملی طور پر 1826 سے شروع ہوئی اور 1831 میں آپ کی شہادت پر اختتام پذیر ہوئی۔ تاہم غیر منظم طور پر یہ 1857 کے بعد بھی مسلح جہاد کی صورت میں چلتی رہی۔ اس تحریک نے اور بھی بہت سے تحریک جہاد کو جنم دیا جو اسی انجام کو پہنچیں جو اس تحریک کو پیش آیا، مثلاً بنگال میں تیتو میر کی تحریک، تحریک ریشمی رومال اور صادق پور پٹنہ کا مرکز جہاد، جہادِ شالی وغیرہ۔

دور حاضر میں ابوالحسن ندوی، مولانا غلام رسول مہر وغیرہ کی تحقیقات اور تصنیفات نے اس تحریک کو ایک بار پھر اجاگر کر دیا ہے۔ خصوصاً ابوالحسن ندوی کی سیرت سید احمد شہید پڑھ کر ایک عام قاری کا یہ تاثر ہوتا ہے کہ اگر کوئی دین کی حقیقی خدمت کرنا چاہتا ہے تو یا تو خود کوئی تحریک جہاد اٹھا دے اگر اس قابل ہے یا پہلے سے موجود کسی جہادی تنظیم کا حصہ بن کر اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان دے کر سرخرو ہو جائے۔ یہ کتب طالبان جیسی تحریکوں کو مسلسل افرادی قوت مہیا کرنے کا مستقل ذریعہ ہیں۔

سید صاحب کی تحریک کا نظریاتی اور حکمت عملی کا جامع تجزیہ کرنے کی آج بھی ضرورت ہے، کیونکہ آج بھی یہ تحریک سیاسی دینی تحریکات کے لیے، خصوصاً برصغیر میں، سب سے بڑے محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ سید صاحب کی تحریک شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے نظریات سے مولود ہوئی۔ برصغیر کے بعد پوری دنیا میں غلبہ اسلام اس کا منظر نظر تھا۔ پنجاب میں سکھوں کے ظلم و ستم کا استیصال اس کا اولین ہدف تھا۔ بالاکوٹ میں سید صاحب اور آپ کے قریبی احباب کی شہادت کے بعد بھی بہت عرصہ مسلح جدوجہد جاری رہی۔ تاہم، 1857 کے بعد یہ تعلیمی جدوجہد میں تبدیل ہوئی اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء، اہل حدیث کے مدارس وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئی جو اپنے طلباء میں تصور جہاد کی آبیاری کرتے رہے۔ کانگریس کے قیام کے بعد یہ تحریک سیاسی جدوجہد میں تبدیل ہوئی۔ پہلے جمعیت علمائے ہند اور پھر جمعیت علمائے اسلام کی صورت میں اس تحریک کے لواحقین دو الگ راستوں کے راہی بنے۔ جمعیت علمائے ہند نے، ہندوستان کے نئے سیاسی منظر نامے کے معروضی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے، مسلمانوں کے سیاسی

* رکن مجلس ادارت 'دبصیرہ'، نمل اسلام آباد۔

غلبے کے نظریے سے دستبردار ہو کر مشترکہ قومیت اور جمہوریت کے اندر سیکولر ازم کے ذریعے مذہبی آزادی کے خیالات کو اپنالیا۔ لیکن جمعیت علمائے اسلام، سید صاحب کے نظریے سے زیادہ قریب رہی۔ اس نے مسلم لیگ کے الگ وطن کی جدوجہد میں اسلامی سلطنت کا خواب پھر سے استوار ہوتے دیکھا تو اس میں شامل ہو گئی۔ قیام پاکستان کے بعد، حکومتوں کے اسلام نافذ کرنے سے گریز کی روش کی وجہ سے یہ تحریک آئینی جدوجہد میں تبدیل ہو گئی۔ پھر یہ بتدریج جارحانہ ہوتی چلی گئی۔ تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ سے یہ احتجاج میں تبدیل ہوئی اور تحریک نفاذ شریعت اور طالبان کی صورت میں پھر سے مسلح ہو گئی۔ یوں دیکھیے تو سید صاحب کی تحریک تاریخ کا چکر کاٹ کر پھر اسی نقطہ پر کھڑی ہو گئی جہاں سے چلی تھی۔

سید صاحب کی تحریک کی بنیاد حکومت الہیہ کے قیام، نجی جہاد، امامت اور شاہ عبدالعزیز کے دارالہرب کے فتویٰ پر تھی۔ سید صاحب کے نزدیک، شاہ ولی اللہ کے تعلیمات کی روشنی میں، قیام خلافت یا اسلام کا سیاسی غلبہ و اجابت دین میں سے ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے بڑھتے اقتدار کے نتیجے میں شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ کی زو سے ہندوستان دارالہرب بن چکا تھا۔ اسلامی سیاسی غلبہ کے لیے جہاد فرض تھا اور چونکہ کوئی مسلم حکمران اس کے لیے تیار نہ تھا تو چند لوگوں نے اس کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے نجی طور پر شروع کرنا ضروری سمجھا۔ اس کے لیے دستیاب امام سید احمد شہید تھے۔

راقم الحروف کے مطابق، سید صاحب کی تحریک کی یہ نظریاتی بنیادیں اسلام کی غلط تعبیرات سے پیدا ہوئیں۔ یہی تعبیرات ہمارے دور تک چلی آ رہی ہیں اور بے شمار تحریک جہاد کو جنم دے چکی ہیں۔ راقم کے نزدیک، مسلمانوں کے لیے حالت اقتدار میں نفاذ شریعت فرض ہے لیکن نفاذ شریعت کے لیے حصول ریاست فرض یا واجب نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے صاحب مال کے لیے ادائیگی زکوٰۃ فرض ہے، لیکن ادائیگی زکوٰۃ کے لیے کسب مال فرض یا واجب نہیں۔ نیز نجی جہاد کا کوئی تصور اسلام میں نہیں۔ جہاد امامت اور ریاست کے تحت ہی کیا جاسکتا ہے۔ جہاد کی اجازت اور احکامات ہجرت مدینہ کے بعد نازل کیے گئے ہیں، اس لیے جہاد و قتال سے متعلق تمام آیات کو ریاست مدینہ کے قیام کے بعد کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ حکومت کی کوتاہی سے اگر حدود کا نفاذ نجی شعبہ کے حوالے نہیں کیا جاسکتا تو جہاد کو کیوں کرنی شعبہ کے حوالے کیا جاسکتا ہے؟ جہاں تک دارالہرب کے فتویٰ کا تعلق ہے تو کسی جگہ دارالہرب قرار پا جانے کے بعد پہلا تقاضا ہجرت ہوتا ہے، لیکن ہمیں اس وقت کے ہند کے مسلمانوں یا کم از کم پنجاب کے مسلمانوں سے اس کا مطالبہ نظر نہیں آتا۔ لاکھوں مسلمانوں میں سے زیادہ سے زیادہ پندرہ سو مسلمانوں نے سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی تھی جو کہ انتہائی ناکافی تعداد ہے۔

سید صاحب کے طریقہ کار میں نوٹ کیا گیا کہ آپ نے جہاد پہلے شروع کیا (اکوڑہ کا شب خون)، بیعت امامت بعد میں لی (جب دیکھا کہ مقامی مجاہدین جنگ کی بجائے مال غنیمت کے کرچلتے بنے اور اس کی شرعی تقسیم پر آمادہ نہ ہوئے)، اس کے بعد ریاست کے حصول کی کوشش کی اور اس کے بعد لوگوں پر شریعت کا نفاذ کرنے کی کوشش کی جو اس کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کو مدینہ کے لوگوں نے اپنا

امام پہلے تسلیم کیا، پھر خود سے ریاست مہیا کر دی، آپ نے ان کی مرضی سے ان پر شریعت نافذ کی، اور جہاد سب سے آخر میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے دشمن کے مقابلے میں عددی قوت کے فرق کو نظر انداز کیا۔ آپ کے پاس قابل بھروسہ جنگجوؤں کی تعداد 1500 سے زیادہ تھی جو پوری طرح مسلح بھی نہ تھے اور بنیادی ضروریات کی تکمیل سے بھی تہی تھے، جب کہ سکھوں کی صرف سرحدی فوج آٹھ سے دس ہزار تک تھی۔

اسلامی خلافت کا قیام دین کا کوئی ایسا واجب تقاضا نہیں کہ اس کی خاطر ہمیں چلائی جائیں اور قیمتی جانیں قربان کی جائیں۔ مسلمانوں پر صرف یہ فرض ہے کہ وہ جب بھی پر امن طریقہ سے اقتدار میں آئیں، خواہ مطلق حیثیت سے یا مخلوط حکومت میں، تو مسلم معاشرے کے مسلم افراد پر اسلام کے اجتماعی احکامات کا نفاذ کر دیں۔ مگر انہی باتوں کو واجب قرار دے کر جو تحریک برپا کی گئی تھی، وہ آج بھی زندہ ہے۔ یہاں ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ اگر ہم پہلے فریق (سید احمد شہید) کو درست قرار دیتے ہیں تو اس دوسرے فریق (طالبان) کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ اگر دوسرا غلط ہے تو پہلے کی تغلیط کی ہمت بھی لامحالہ کرنی ہوگی۔ ہمیں اس دو غلطے پن سے براءت کا اعلان کرنا ہوگا۔ سید صاحب کی اس پراثر تحریک کا درست تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مستقبل کے اولوالعزم مسلمان نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اسلام کی خدمت میں بہتر طور پر استعمال کیا جاسکے۔

امیر عبدالقادر الجزائریؒ

تصنیف: جان ڈبلیو کائزر O بیسی لفظ: مولانا زاہد الراشدی

الجزائر کے عظیم مجاہد آزادی کی داستان حیات

”عظیم آدمی اتنی فراوانی سے نہیں ملتے کہ ہم ان کے لیے دو بول کہے بغیر انہیں گنوا دیں۔۔۔۔۔“
ایک پاک محبت وطن، ایک ایسا سپاہی جس کی فطانت اور حاضر دماغی شک و شبہ سے بالاتر ہو، جس کا وقار بے داغ ہو، ایک ایسا ریاست کار جو افریقہ کے جنگلی قبائل کو متحد کر کے بے مثال مد مقابل بنا سکے، ایک ایسا ہیرو جو حرف شکایت زبان پر لائے بغیر شکست اور تباہی کو تسلیم کر لے، اگر یہی وہ خوبیاں ہیں جو ایک آدمی کو عظیم بناتی ہیں تو پھر عبدالقادر اس صدی کے چند گنے چنے عظیم آدمیوں کی سب سے اگلی صف میں کھڑا ہونے کا حق دار ہے۔“ (نیویارک ٹائمز، فروری ۱۸۸۳ء)

[صفحات: ۴۵۶ - قیمت: ۲۵۰ روپے]

ناشر: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور